سعودی عرب میں خواتین سے متعلق قانون سازی کا تاریخی جائزہ

A Historical Overview of Legislation Regarding Women in Saudi Arabia

Author: **Dr. Asma Aziz**

Assistant Prof. *Department of Islamic Studies, Government College Women University Faisalabad*
Email: asmaaziz@gcwuf.edu.pk

Co-Authors: **Kinza Sajjad**

M. Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Government College Women University Faisalabad
Email: kinzasajjad85@gmail.com

Ayesha Shahnaz

M. Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Government College Women University Faisalabad
Email: ayeshashahnaz05@gmail.com

Abstract

The legal status of women in Saudi Arabia has undergone significant changes across different historical phases. Rooted in Islamic law and tribal traditions, early legislation offered women very limited access to education, employment, and public life. The discovery of oil and the establishment of modern institutions gradually opened new opportunities, most notably the introduction of girls' education in the 1960s. The conservative wave of the late 1970s, however, reinforced strict guardianship laws and restrictions on mobility, limiting women's legal rights for several decades. By the 1990s, international pressures and domestic debates encouraged modest reforms, particularly in higher education and selective employment sectors. A major shift occurred in the twenty-first century with reformist policies under King Abdullah and later the Vision 2030 agenda of Crown Prince Mohammed bin Salman. Landmark legal changes—such as granting the right to vote, lifting the driving ban, easing guardianship restrictions, and expanding professional participation—marked a transformation in women's role within Saudi society. This article reviews these developments chronologically, showing how women's legislation in Saudi Arabia reflects an ongoing negotiation between tradition and modernity. It concludes that while legal reforms have expanded women's rights, cultural attitudes and conservative interpretations remain significant challenges.

Keywords: Women's legal status, Saudi Arabia, Legislation, Legal reforms, Tradition and modernity

تعارف:

سعودی عرب مشرقِ وسطیٰ کا وہ ملک ہے جو جغرافیائی اور مذہبی دونوں حوالوں سے دنیا میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ خلیج عرب اور بحیرۂ احمر کے سنگم پر واقع یہ ریاست نہ صرف خطے کا سب سے بڑا ملک ہے بلکہ تیل کے وسیع ذخائر کے باعث عالمی معیشت اور سیاست پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ 1932ء میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے مختلف قبائل کو متحد کر کے اس ریاست کی بنیاد رکھی۔ سعودی عرب کو عالمِ اسلام میں مرکزی مقام

حاصل ہے کیونکہ یہ مقدس شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا امین ہے، اور یہی مذہبی حیثیت اس کی داخلی و خارجی پالیسیوں کو گہرے طور پر متاثر کرتی ہے۔

اگرچہ سعودی معاشرہ مذہب اور قبائلی روایات کے امتزاج سے تشکیل پایا، لیکن خواتین کی حیثیت ہمیشہ سے بحث کا موضوع رہی ہے۔ ریاست کے ابتدائی عشروں میں خواتین کا کردار گھریلو دائرے تک محدود تھا اور تعلیم یا روزگار کے مواقع تقریباً ناپید تھے۔ خواتین کی قانونی و سماجی حیثیت مرد سرپرستی کے نظام (ولی) سے جڑی ہوئی تھی، جو ان کی آزادی کو محدود کرتا رہا۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ سعودی عرب میں سماجی و قانونی اصلاحات کا آغاز ہوا، جس نے خواتین کے کردار کو نئی سمت عطا کی۔ خاص طور پر اکیسویں صدی میں یہ تبدیلیاں تیز رفتار ہوئیں اور آج سعودی خواتین نہ صرف تعلیم اور ملازمت بلکہ سیاست اور کاروبار میں بھی نمایاں مقام حاصل کر رہی ہیں۔ اسلام نے خواتین کو عزت و وقار کے ساتھ مساوی انسانی حیثیت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا"(۱)

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بڑا اجر تیار کیا ہے"۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں خاندان کے نظام میں مرد کو ذمہ دار اور نگران قرار دیا گیا ہے:

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ"(۲)

"مرد عورتوں کے نگران ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔ یہ آیات اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہیں کہ عورت کو اسلام میں باعزت مقام دیا گیا ہے۔ تاہم سعودی معاشرے میں قبائلی روایات نے خواتین کی عملی حیثیت کو طویل عرصے تک محدود رکھا۔

یہ تحقیق اسی پس منظر میں سعودی عرب میں خواتین پر قانون سازی کے ارتقائی سفر کا جائزہ لینے کی کوشش ہے۔ اس مطالعے میں مختلف ادوار میں ہونے والی قانونی تبدیلیوں کا تنقیدی تجزیہ کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ یہ اصلاحات محض داخلی ضروریات کا نتیجہ تھیں یا عالمی دباؤ اور جدیدیت کے اثرات بھی ان میں شامل تھے۔ مزید یہ کہ مذہبی تعبیرات اور قبائلی روایات نے خواتین کی قانونی حیثیت کو کس طرح متاثر کیا اور حالیہ Vision 2030 نے سعودی خواتین کو کس سطح تک نئے امکانات فراہم کئے۔

اس موضوع کی اہمیت دو سطحوں پر اجاگر ہوتی ہے: ایک طرف یہ تحقیق سعودی معاشرت کے داخلی ڈھانچے کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہے، اور دوسری طرف یہ اسلامی دنیا میں خواتین کے حقوق اور قانون سازی کے تقابلی مطالعے کو تقویت دیتی ہے۔ چونکہ سعودی عرب مذہبی اور معاشی دونوں حوالوں سے اثر انگیز ملک ہے، اس لیے یہاں خواتین پر قانون سازی کے اثرات پورے خطے کے لیے رہنما حیثیت اختیار کر سکتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقالے میں تاریخی، فقہی، سیاسی اور بین الاقوامی زاویوں سے تجزیہ کیا جائے گا تاکہ خواتین کے حقوق کے سفر کو عہد بہ عہد سائنسی اور تحقیقی انداز میں سمجھا جا سکے۔

۱۔ تاریخی زاویہ

سعودی ریاست کے قیام (1932) سے لے کر آج تک خواتین سے متعلق قانون سازی کئی مراحل سے گزری ہے۔ ابتدا میں خواتین کو قانونی و سماجی طور پر مرد سرپرستی کے تحت رکھا گیا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ مختلف حکمرانوں کے ادوار میں تدریجی تبدیلیاں متعارف ہوئیں۔ تاریخی زاویہ اس تبدیلی کو عہد بہ عہد سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

۲۔ مذہبی و فقہی زاویہ

سعودی قوانین کی تشکیل میں حنبلی فقہ اور وہابی تعبیرات کا بنیادی کردار رہا ہے۔ خواتین کی تعلیم، ملازمت اور عوامی زندگی میں شمولیت کے حوالے سے مذہبی آراء اپنی جگہ صحیح تھیں۔ تاہم حالیہ برسوں میں مذہبی بیانیے کی نئی تشریحات نے خواتین کی شمولیت کے لیے راستے ہموار کیے۔ سعودی قوانین کی تشکیل میں ہمیشہ حنبلی فقہ اور اس کی وہابی تعبیرات کا غلبہ رہا ہے۔ عورتوں کی تعلیم، ملازمت اور عوامی زندگی میں شمولیت کے بارے میں عمومی رویہ سخت رہا، کیونکہ یہ فقہی تشریحات عورت کے "پردہ اور عفت" کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے: ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ“[۳]

"اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ ہو کر نہ نکلو"۔

یہ آیت سعودی علما کے نزدیک عوامی زندگی میں خواتین کے کردار کو محدود رکھنے کے لیے ایک بنیادی دلیل رہی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان“[۴]

"عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے بہکانے کے لیے تاک میں ہوتا ہے"۔

تاہم جدید دور میں کچھ علماء اور محققین نے ان نصوص کی نئی تشریحات پیش کیں اور کہا کہ قرآن و سنت خواتین کو تعلیم اور سماجی کردار سے نہیں روکتے، بلکہ حدود و قیود کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”اسلام نے عورت کو سماجی زندگی سے نہیں روکا بلکہ اسے تعلیم، کام اور خدمتِ خلق میں حصہ لینے کی اجازت دی ہے، تاہم اس اجازت کے ساتھ شرعی حدود و قیود بھی لازم ہیں۔“[۵]

۳۔ سیاسی زاویہ

سعودی حکمرانوں نے مختلف ادوار میں خواتین کے حقوق پر مختلف پالیسیاں اپنائیں۔ شاہ فیصل کے دور میں تعلیم کی ابتدا ہوئی، شاہ عبداللہ کے زمانے میں سیاسی نمائندگی کا حق دیا گیا، اور محمد بن سلمان کے عہد میں Vision 2030 کے تحت انقلابی تبدیلیاں کی گئیں۔ سیاسی زاویہ اس ارتقا کو ریاستی پالیسیوں کے تناظر میں دیکھتا ہے۔

سعودی حکمرانوں نے مختلف ادوار میں خواتین سے متعلق مختلف پالیسیاں اپنائیں:

1. شاہ فیصل (1960ء کی دہائی) ⟵ خواتین کی عصری تعلیم کے دروازے کھولے۔

2. شاہ عبداللہ (2005–2015) ← خواتین کو مجلسِ شوریٰ میں نمائندگی دی اور اعلیٰ تعلیم کے مواقع بڑھائے۔
3. محمد بن سلمان (2015–تادمِ حال) ← وژن 2030 کے تحت خاص تبدیلیاں کیں، مثلاً ڈرائیونگ کی اجازت (2018)، محرم کے بغیر سفر، اور ملازمت و کھیل کے مواقع میں اضافہ۔

یہ سب اقدامات ریاستی پالیسیوں کی تبدیلی کی عکاسی کرتے ہیں۔

مدوی الرشید اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں: ”سعودی ریاست میں خواتین کے کردار کو وسعت دینا محض مذہبی بیانیے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ریاستی سیاسی ضرورت اور جدید معاشرتی تقاضوں کا بھی عکس ہے۔“[۷]

اسی طرح الیانور ڈوماٹو لکھتی ہیں: ”سعودی خواتین کی سماجی اور سیاسی زندگی میں تبدیلیاں وقت کے حکومتی فیصلوں اور عالمی دباؤ کے زیر اثر وقوع پذیر ہوئیں، نہ کہ صرف مذہبی نصوص کی تعبیر سے۔“[۸]

۴۔ بین الاقوامی زاویہ

خواتین کے حقوق پر سعودی پالیسیوں پر عالمی دباؤ ہمیشہ مؤثر رہا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں، مغربی میڈیا اور بین الاقوامی برادری نے خواتین پر عائد پابندیوں کو بارہا تنقید کا نشانہ بنایا۔ سعودی اصلاحات کو عالمی سطح پر اپنی شبیہ بہتر بنانے کے ایک ذریعہ کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔

۵۔ معاشرتی و ثقافتی زاویہ

سعودی معاشرہ قبائلی روایات اور مذہبی اقدار کے امتزاج پر مبنی ہے۔ خواتین کے حقوق کے حوالے سے معاشرتی رویے ہمیشہ اعتدال پسند رہے، لیکن تعلیم اور میڈیا کے پھیلاؤ نے خواتین کو شمولیت کے نئے مواقع دیے۔ یہ زاویہ سماجی تبدیلی کے عمل کو واضح کرتا ہے۔ امیلی لو ریناڈ (Amélie Le Renard) لکھتی ہیں: ”سعودی عرب کی نئی شہری خواتین کے لیے میڈیا، تعلیم اور روزگار کے مواقع نے ایک نیا سماجی دائرہ کھولا ہے۔“[۹]

ابتدائی دور (1932 تا 1970)

سعودی ریاست کے قیام کے بعد خواتین کی حیثیت گھریلو اور خاندانی دائرے تک محدود رہی۔ ریاستی ڈھانچے نے مذہبی تعبیرات اور قبائلی روایات کو قانون سازی کی بنیاد بنایا، جس کا براہِ راست اثر خواتین کے سماجی کردار پر پڑا۔ اس دور میں خواتین کے لیے تعلیم کے مواقع نہ ہونے کے برابر تھے، اور ملازمت کے دروازے تقریباً بند تھے۔ اس دور میں علما بالخصوص قرآن کی اس آیت کو عورت کے سماجی کردار کے تعین میں دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے: ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ“[۱۰]

"اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ نکلو"۔

اسی حقیقت پر ایک بین الاقوامی رپورٹ میں کہا گیا ہے: ”سعودی عرب کے قیام کے بعد کئی دہائیوں تک خواتین کو تعلیم اور روزگار تک رسائی میں شدید رکاوٹوں کا سامنا رہا، جس نے ان کی عوامی زندگی میں شرکت کو محدود کر دیا۔“[۱۱]

یوں ابتدائی دور کی پالیسیوں نے خواتین کی سماجی حیثیت کو نہ صرف محدود کیا بلکہ ایک ایسا ماحول قائم کیا جس میں تعلیمی اصلاحات کا آغاز کئی دہائیوں بعد ممکن ہو سکا۔

تعلیمی اصلاحات کا آغاز (1960ء – 1979ء)

سعودی عرب کے ابتدائی عشروں میں خواتین کی تعلیم کو شدید سماجی اور مذہبی مخالفت کا سامنا رہا۔ تاہم شاہ فیصل (1964–1975) کے دور میں پہلی مرتبہ اس میدان میں نمایاں اصلاحات متعارف کرائی گئیں۔ 1960 میں خواتین کے لیے سرکاری سطح پر اسکول قائم کیے گئے، جو ایک غیر معمولی اقدام تھا کیونکہ اس سے پہلے لڑکیوں کی تعلیم کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ بعض اوقات غیر شرعی تصور کیا جاتا تھا۔ اس فیصلے پر قدامت پسند حلقوں نے سخت ردِ عمل دیا اور اسے قبائلی و دینی اقدار کے خلاف قرار دیا۔ بعض جگہوں پر تو احتجاج تک ہوا کہ لڑکیوں کو تعلیم دینا خاندان اور معاشرے کے لیے "خطرہ" ہے۔ اس مخالفت کے باوجود ریاست نے اپنے منصوبے پر عمل جاری رکھا اور شاہ فیصل نے ذاتی طور پر تعلیم کے فروغ کو اپنی پالیسی کا حصہ بنایا۔ 1970 کی دہائی میں خواتین کو یونیورسٹی سطح پر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی گئی، البتہ یہ ادارے مردوں سے بالکل علیحدہ قائم کیے گئے۔ یہ علیحدگی دراصل اس سماجی دباؤ کو کم کرنے کی ایک حکمتِ عملی تھی تاکہ قدامت پسند طبقات مطمئن رہیں اور خواتین کو محدود دائرے کے اندر رہتے ہوئے تعلیم کی سہولت فراہم کی جا سکے۔

اس دور کی تعلیمی پالیسیوں میں قانون سازی کی بجائے انتظامی اقدامات پر زیادہ زور دیا گیا۔ حکومت نے خواتین کے لیے علیحدہ تعلیمی ڈھانچہ تیار کیا، جس کے ذریعے ابتدائی سطح سے لے کر اعلیٰ سطح تک تعلیم کا راستہ کھولا گیا۔ اگرچہ یہ مواقع ابھی محدود تھے، لیکن اس کے اثرات گہرے تھے۔ خواتین نے پہلی بار ایک ایسے دائرے میں قدم رکھا جس نے ان کے شعور اور صلاحیتوں کو جلا بخشی اور آگے چل کر سماجی بیداری کی نئی لہر پیدا کی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بھی تعلیم کو ہمیشہ فضیلت حاصل رہی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ''(۱۲)

"کہہ دیجیے: کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں"۔

الیانور ڈوماٹو اس دور کی صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں: ''شاہ فیصل کے دور میں خواتین کی تعلیم کے دروازے کھلے، لیکن یہ عمل سخت سماجی مزاحمت کے سائے میں انجام پایا، جس کی وجہ سے خواتین کو علیحدہ اداروں میں محدود دائرے کے اندر تعلیم دی گئی۔''(۱۳)

یوں 1960 سے 1979 تک کا دور سعودی خواتین کے لیے ایک "ابتدائی تعلیمی انقلاب" کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب پہلی بار خواتین کو رسمی تعلیم تک رسائی ملی اور ان کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم تیار ہوا جس نے بعد کے عشروں میں خواتین کی سماجی و پیشہ ورانہ شمولیت کے لیے راستے ہموار کیے۔ اگرچہ یہ اصلاحات ابھی محدود پیمانے پر تھیں، لیکن ان کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے اور سعودی معاشرے میں خواتین کے مقام کے بارے میں سوچنے کا نیا زاویہ پیدا کیا۔

مذہبی قدامت پسندی کا عہد (1979ء – 2000ء)

1979ء میں پیش آنے والا "مکہ واقعہ (Grand Mosque Seizure)" سعودی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اس واقعے کے بعد حکومت نے اپنی پالیسیوں میں ایک نمایاں تبدیلی کی اور معاشرے کو مزید مذہبی قدامت پسندی کی طرف موڑ دیا۔ اس کا سب سے زیادہ اثر خواتین کی زندگی پر پڑا۔ حکومت نے مذاپنی سیاسی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے خواتین کے حوالے سے سخت قوانین اور سماجی پابندیاں نافذ

کیں۔ اس دور میں خواتین کے لباس اور تعلیم پر خصوصی طور پر نظر رکھی گئی۔ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں طالبات پر سخت حجاب اور علیحدگی کے اصول لاگو کیے گئے۔ خواتین کی عوامی زندگی میں شمولیت تقریباً ختم ہوگئی اور وہ صرف مخصوص دائرے تک محدود کر دی گئیں۔

اسی پالیسی کے نتیجے میں خواتین کی ملازمت کے مواقع بھی نہایت محدود ہو گئے۔ وہ صرف چند شعبوں، جیسے صحت اور تعلیم تک محدود رہیں، جبکہ سیاست، قانون، کاروبار اور دیگر شعبوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ عوامی مقامات پر خواتین کی موجودگی تقریباً ختم کر دی گئی اور "محرم کے بغیر" باہر نکلنے پر سخت قدغن عائد کر دی گئی۔

اصلاحات کا آغاز (2001ء– 2010ء)

سعودی عرب میں خواتین کے حوالے سے 2000ء کی دہائی ایک نئے مرحلے کا آغاز ثابت ہوئی۔ شاہ فہد کے بعد جب شاہ عبداللہ 2005ء میں برسراقتدار آئے تو ریاست نے بتدریج خواتین کی حیثیت کو تسلیم کرنا شروع کیا۔ اس سے قبل خواتین زیادہ تر قانونی طور پر اپنے مرد سرپرستوں کی مرضی کے تابع تھیں اور انہیں اپنی شناخت یا فیصلہ سازی میں کوئی خود مختار مقام حاصل نہ تھا۔ تاہم اس دہائی کے دوران کئی اقدامات کیے گئے جنہوں نے خواتین کی سماجی اور قانونی حیثیت میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کیں۔

خواتین کو شناختی کارڈ کا حق

2001ء میں پہلی مرتبہ خواتین کو اپنا قومی شناختی کارڈ حاصل کرنے کا حق دیا گیا، لیکن یہ سہولت مکمل طور پر آزاد نہیں تھی۔ اس کے لیے عورت کو اپنے ولی (والد، بھائی یا شوہر) کی اجازت لینا لازمی تھا۔ اس شق نے دراصل عورت کو ایک آزاد قانونی شخصیت دینے کی بجائے مرد سرپرستی کے نظام کو مضبوط کیا۔ 2005ء میں یہ شرط کسی حد تک نرم کی گئی اور خواتین کو براہِ راست شناختی کارڈ جاری ہونے لگے۔ یہ ایک اہم پیش رفت تھی کیونکہ اس کے ذریعے خواتین کو پہلی مرتبہ ایک قانونی فرد کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ تاہم کئی معاملات میں ولی کی اجازت اب بھی برقرار رہی، مثلاً سفر، شادی یا کاروبار جیسے بڑے فیصلے کرنے کے لیے عورت مرد سرپرست کی محتاج رہی۔

عصری تعلیم اور روزگار میں ترقی

اسی عرصے میں خواتین کو تعلیم اور روزگار کے شعبوں میں زیادہ مواقع فراہم کیے گئے۔ اگرچہ یہ مواقع اب بھی محدود تھے اور اکثر علیحدہ اداروں یا ماحول میں دیے جاتے تھے، لیکن اس نے خواتین کی معاشرتی حیثیت کو نئی جہت دی۔ میڈیا اور صحافت میں بھی خواتین کی شمولیت شروع ہوئی، جو سعودی معاشرے کے قدامت پسند ڈھانچے میں ایک بڑی تبدیلی سمجھی جاتی ہے۔

2009ء میں ایک تاریخی فیصلہ کیا گیا جب ڈاکٹر نورۃ الفائز کو نائب وزیر تعلیم برائے لڑکیوں کے امور مقرر کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سعودی حکومت نے کسی خاتون کو اس سطح پر حکومتی عہدہ دیا۔ یہ فیصلہ نہ صرف علامتی اہمیت کا حامل تھا بلکہ اس نے خواتین کو سرکاری اور انتظامی ڈھانچے میں نمائندگی فراہم کرنے کا آغاز کیا۔

ولی کے نظام کی رکاوٹیں

اگرچہ یہ اصلاحات بلاشبہ اہم تھیں، لیکن اس دور میں بھی "ولی کا نظام" بدستور موجود رہا۔ عورت کسی بڑے فیصلے میں مکمل آزاد نہیں تھی اور اکثر معاملات میں اسے مرد سرپرست کی اجازت درکار تھی۔ یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سعودی ریاست نے خواتین کی حیثیت کو جزوی طور پر تسلیم کیا لیکن مکمل خود مختاری دینے سے گریز کیا۔ معروف انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ اس صورتحال کو ان الفاظ میں بیان کرتی

ہے: ’’سعودی عرب میں خواتین کو اب بھی مرد سرپرست کے تابع رکھا گیا ہے۔ اگرچہ انہیں شناختی کارڈ اور محدود شعبوں میں مواقع ملے ہیں، لیکن اپنی زندگی کے اہم فیصلے وہ آزادانہ طور پر نہیں کر سکتیں۔‘‘[۱۷]

2001ء سے 2010ء تک کا دور سعودی خواتین کے لیے "اصلاحات کے آغاز" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دوران ریاست نے خواتین کی تعلیم، ملازمت اور قانونی شناخت کے حوالے سے اقدامات کیے، جنھوں نے ان کے لیے ایک نئی راہ ہموار کی۔ اگرچہ یہ اقدامات محدود تھے اور قدامت پسند سماج کی رکاوٹوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن یہی وہ بنیاد بنی جس پر بعد میں بڑے پیمانے پر اصلاحات ممکن ہو سکیں۔

سعودی خواتین کے لیے 2011ء سے 2017ء کا دور ایک نئے مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عرصے میں خواتین کو پہلی مرتبہ سیاسی اور سماجی سطح پر نمائندگی دی گئی اور ان کے کردار کو تسلیم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے گئے۔ اگرچہ یہ اصلاحات ابھی مکمل نہیں تھیں اور کئی پابندیاں بدستور موجود رہیں، تاہم یہ دور سعودی تاریخ میں خواتین کی شمولیت کے حوالے سے ایک سنگِ میل ثابت ہوا۔

2011ء میں شاہ عبداللہ نے ایک اہم اعلان کیا کہ آئندہ بلدیاتی انتخابات میں خواتین کو نہ صرف ووٹ ڈالنے بلکہ امیدوار بننے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ خواتین کی پہلی انتخابی شمولیت 2015ء میں ممکن ہوئی، جب انہوں نے ووٹ بھی ڈالا اور امیدوار کے طور پر انتخابی عمل میں حصہ بھی لیا۔ اگرچہ خواتین امیدواروں کی تعداد محدود تھی اور ان کے انتخابی حلقے بھی چھوٹے پیمانے پر تھے، لیکن یہ قدم اس بات کا اعلان تھا کہ خواتین کو سیاست کے دائرے میں جگہ دی جا رہی ہے۔

2013ء میں سعودی تاریخ کا ایک اور اہم واقعہ پیش آیا، جب 30 خواتین کو پہلی مرتبہ مجلسِ شوریٰ (Consultative Council) میں شامل کیا گیا۔ یہ فیصلہ نہ صرف علامتی حیثیت رکھتا تھا بلکہ اس نے خواتین کو قانون سازی اور پالیسی سازی کے مباحث میں شمولیت کا حق بھی دیا۔ اس اقدام کو سعودی معاشرے کے سخت گیر ڈھانچے میں ایک بڑی پیش رفت قرار دیا گیا۔

اسی دوران خواتین کے لیے تعلیم اور ملازمت کے نئے دروازے بھی کھلے۔ زیادہ خواتین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگیں اور میڈیا، صحافت، طب اور کاروبار جیسے شعبوں میں ان کی شمولیت بڑھی۔ سعودی حکومت نے مختلف منصوبوں کے ذریعے خواتین کو محدود سطح پر ہی سہی، لیکن سماجی ترقی کا حصہ بنایا۔ اگرچہ خواتین کو ووٹ ڈالنے، شوریٰ میں نمائندگی اور ملازمت میں مواقع ملنے لگے، لیکن ڈرائیونگ پر پابندی 2017ء تک برقرار رہی۔ اسی طرح خواتین آزادانہ سفر نہیں کر سکتی تھیں اور محرم کے بغیر سفر کرنے پر قانونی رکاوٹیں موجود تھیں۔ یوں اس دور کو "جزوی آزادی" کا دور کہا جا سکتا ہے، جہاں خواتین کو کچھ حقوق دیے گئے لیکن مکمل مساوات اب بھی ایک خواب تھا۔

2011ء سے 2017ء تک کے عرصے میں خواتین کو سعودی معاشرت میں پہلی بار سیاسی حیثیت دی گئی۔ ووٹ کا حق، مجلسِ شوریٰ میں نمائندگی اور ملازمت کے بڑھتے مواقع ایسے اقدامات تھے جنھوں نے خواتین کی قانونی اور سماجی شناخت کو تسلیم کیا۔ تاہم ساتھ ہی ساتھ ڈرائیونگ اور سفر جیسی بنیادی آزادیوں پر پابندیوں نے یہ واضح کر دیا کہ اصلاحات کا یہ عمل ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔

سعودی عرب میں ولی عہد محمد بن سلمان کے دورِ حکومت کو خواتین کے معاشرتی کردار میں سب سے بڑی اور تیز رفتار تبدیلیوں کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ "Vision 2030" کے فریم ورک نے خواتین کو نہ صرف سماجی اور اقتصادی سطح پر متحرک کیا بلکہ ریاستی پالیسیوں کے ذریعے انہیں ایک فعال شہری کی حیثیت دی۔ اس دور کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خواتین پر صدیوں سے قائم پابندیوں کو بتدریج ختم کیا گیا اور انہیں تعلیم، ملازمت، سیاست اور معیشت میں شمولیت کے عملی مواقع فراہم کیے گئے۔

2017ء میں سعودی حکومت نے پہلی مرتبہ خواتین کو کھیلوں کے اسٹیڈیم میں داخلے کی اجازت دی۔ یہ اقدام اگرچہ بظاہر محدود دکھائی دیتا تھا لیکن سماجی لحاظ سے ایک بڑی علامتی تبدیلی تھی۔

2018ء میں سعودی خواتین کو ڈرائیونگ کی اجازت ملی۔ جب یہ پابندی ختم ہوئی تو خواتین کو خود مختارانہ سفر کرنے اور ملازمت یا تعلیم کے مواقع تک براہِ راست رسائی حاصل ہو گئی۔

2019ء میں سب سے اہم تبدیلیاں متعارف کرائی گئیں:

- خواتین کو مرد ولی کی اجازت کے بغیر پاسپورٹ حاصل کرنے اور بیرونِ ملک سفر کرنے کی اجازت دی گئی۔
- سرکاری اور نجی اداروں میں ملازمت کے لیے ولی کی شرط ختم کر دی گئی۔
- یہ اقدام سعودی سماج میں "قانونی بالغ شخصیت (Legal Personhood)" کو تسلیم کرنے کی طرف ایک فیصلہ کن قدم تھا۔ اب خواتین صرف "ولی" کے زیرِ سایہ نہیں بلکہ اپنی قانونی اور سماجی شناخت کے ساتھ سامنے آئیں۔

2020ء میں سعودی عرب نے "ورک پلیس پر ہراسگی کے خلاف قانون" منظور کیا۔ اس قانون نے خواتین کو ملازمت کے میدان میں نہ صرف داخل ہونے کی اجازت دی بلکہ انہیں تحفظ بھی فراہم کیا۔ یہ اقدام اس بات کا اظہار تھا کہ خواتین کی پیشہ ورانہ شمولیت ریاستی سطح پر محفوظ اور منظم کی جا رہی ہے۔

2021ء میں خواتین کو فوج اور سیکیورٹی اداروں میں شمولیت کی اجازت دی گئی۔ یہ ایک ایسا شعبہ تھا جو پہلے مکمل طور پر مردوں تک محدود تھا۔ اس اصلاح نے خواتین کو قومی سلامتی اور دفاع میں براہِ راست کردار دینے کا راستہ ہموار کیا۔

2022ء میں مزید تبدیلیاں کی گئیں:

- خواتین کو کاروباری لائسنس کے حصول کے لیے ولی کی شرط سے آزاد کر دیا گیا۔
- خواتین کو عدالت میں اپنے مقدمات خود لڑنے کا حق دیا گیا۔

یہ اصلاحات سعودی عرب میں خواتین کی مکمل معاشی اور قانونی خود مختاری کا آغاز تھیں۔ اب خواتین سرمایہ کار، وکیل اور عدالتی نظام میں براہِ راست فریق بننے لگیں۔

حوالہ جات

1. سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 35
2. سورۃ النساء، آیت نمبر 34

3. سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 33

4. الترمذی، أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔ الجامع الکبیر (الجامع الصحیح)، کتاب الرضاع، حدیث نمبر 1173۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1996ء۔

5. یوسف القرضاوی، فقہ المرأۃ المسلمۃ، جلد 1 (قاہرہ: مکتب وہبہ، 1996)، ص 112

6. سورۃ النحل، آیت 90

7. Madvi ul Rasheed, A History of Saudi Arabia (Cambridge: Cambridge University Press, 2010), 145

8. Eleanor Doumato, Women in Saudi Arabia: Ideology and Behavior (New York: Columbia University Press, 1992) ،Page, 87

9. Amélie Le Renard, A Society of Young Women: Opportunities of Place, Power, and Reform in Saudi Arabia (Stanford: Stanford University Press, 2014) ،page, 56

10. سورۃ الاحزاب، آیت نمبر، 33

11. Human Rights Watch, Saudi Arabia: Women's Rights Reforms Fall Short (New York: Human Rights Watch, 2020) page,14

12. سورۃ الزمر، آیت نمبر، 9

13. Eleanor Doumato, Women in Saudi Arabia: Ideology and Behavior among the Elite (New York: Columbia University Press, 1992) ،page, 87

14. سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 33

15. Mai Yamani, Changed Identities (London: Croom Helm, 2000) ،Page ,78

16. سورۃ النحل، آیت نمبر، 90

17. Human Rights Watch, Denied Dignity (New York: Human Rights Watch, 2009)،page, 14

18. سورۃ الشوری، آیت نمبر، 38

19. ابن ماجہ، أبو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العلم، حدیث نمبر 224۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2000

20. Thomas Hegghammer, Saudi Arabia in Transition (New York: Cambridge University Press, 2015) ، Page, 132

21. سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر، 70

22. أبو داود، محمد بن إدریس۔ سنن أبو داود، کتاب النکاح، حدیث نمبر 3051۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2000

23. سورۃ النحل، آیت نمبر، 90

24. خطبہ حجۃ الوداع، رسول اکرم ﷺ، مستند احادیث حجۃ الوداع، ص 48

25. Kristin Smith Diwan, Saudi Women and Vision 2030: Bridging the Gender Gap (Washington, DC: AGSIW, 2020),page, 22

26. Anita M. Weiss, Interpreting Islam, Modernity, and Women's Rights in Pakistan (New York: Palgrave Macmillan, 2013) ،page 44

27. UK Home Office, Country Policy and Information Note: Women Fearing 'Honour' Based Violence, Iran (London: UK Home Office, 2022) ،page, 17

28. Zanariah Noor, Islamic Family Law in Malaysia and CEDAW Issues (Kuala Lumpur: University of Malaya Press, 2019) ،Page, 213